



<https://www.facebook.com/groups/372605677178945/>



ایکے تارکٹ پتھر رکے کہانے
اُن بے مایہ آدمی کے پاس ایسے ہی سہ ماہیہ تہا

اردو کے مشہور ادیبے حبیہ احمد شجاع کے زمانے

کس بے مینی سے یہ دن پورے کیے تھے۔ آج وہ اپنی جوان لڑکی کو ساتھ لیے بستی کی طرف جا رہا تھا شاید پیرے کی غریبی ملکائی کی نظر میں جج جائے اور اُس کی بیٹی کی بے بس جوانی دیکھ کر اُس کا دل پسج جائے اور پیرے کو اتنا کچھ مل جائے کہ وہ اپنی بیٹی کے جینز کا سامان کر سکے۔

پتلے زمانے میں پیریوں کی دنیا میں لڑکیوں کا جینز کوئی انوکھی قسم کا سانپ ہوتا تھا اور بس۔ جتنا اچھا سانپ کوئی سپیرا اپنی بیٹی کے جینز میں دے سکے، اتنا ہی اچھا دوا لہا اُسے مل جاتا تھا۔ سانپ ہی تو پیریوں کی زندگی کا ٹھیکرا ہوتا ہے لیکن بستی کے لوگوں کو دیکھ دیکھ کر اب پیریوں نے بھی اپنی کینپل بل ڈالی تھی اور وہ بھی سانپ کی جگہ سونے چاندی کے ٹھکڑوں ہی کو اپنی بیٹیوں کی سب سے بڑی سفارش سمجھنے لگے تھے۔ سپیرا بھی اس وقت ہی سوچ رہا تھا اور اُس ناگ کا چین دیکھتا جاتا تھا جو اُس چھوٹی سی بیاری کے سوراخ سے نرنگا لے ہو ایں لہا رہا تھا جو اُس کی بیٹی کے سر پر رکھی تھی۔ دیکھنے والے مشکل سے اندازہ کر سکتے تھے کہ وہ

اوپر کے مینے کا بلتا ہوا سوچ، نیچے باسکٹ میں ملن ہوئی بیاری رکھے ایک ہاتھ میں بین اور دوسرے ہاتھ میں اپنی جوان بیٹی کی انگلی پکڑے لیے لیے ونگ جھرتا بستی کی طرف جا رہا تھا۔ آج اُس کو پاس لگی تو وہ کسی چلتے ہوئے رہٹ پر بھی زخمیر اور جب اُس کی بیٹی نے میلو کی جھاڑیوں سے لال لال پکڑ توڑنے چاہے تو اُس نے اُسے روک دیا۔ وہ چاہتا تھا کہ جس قدر جلدی ہو سکے بستی میں پہنچ جائے جہاں۔ اس گاؤں کے سب سے بڑے زیریں دوا کی جیوہ ملکائی اپنی اکثر بیٹی کا بیاہ رہا ہی تھی۔ پیرے نے ایک مدت سے سُن لکھا تھا کہ ملکائی نے منمت مانی ہوئی ہے کہ جس دن اُس کی بیٹی کی شادی ہوگی وہ سات غریب لڑکیوں کا جینز اپنی گرو سے دے کر اُن کا بیاہ کر دے گی۔ کون جان سکتا ہے پیرے نے اس آئندہ پرکھ شاید اُن خوش قسمت لڑکیوں میں ایک اُس کی بیٹی بھی ہو

کالا ہاگ زیادہ زہریلا ہے یا اُس لڑکی کی کافر جوانی، جو اُس کے چھٹے
بہنے پتیچڑوں سے دست و گریباں ہو رہی تھی۔

آخر کار سپیرا بستی میں جا پہنچا اور اُس نے اپنی آنکھوں سے دیکھ
یا کہ ملکائی کی بیٹی کے بیاہ کی خبر سچی ہے تو اُس کے ہاتھوں جسم میں آدگی
پیدا ہو گئی، اُس کی سر جھانکی ہوئی آرزوؤں کا کنول از سر نو کھل گیا۔ وہ پہلے
سے بھی زیادہ تیز چلنے لگا۔ اتنا تیز کہ اُس کی جوان بیٹی بھی اُس کے قدم سے
قدم ملا کر چلنے میں کچھ تھکن محسوس کرنے لگی۔ یکم سن پہنچے کالے ہاگ کو تیار
سے جھانکتے دیکھ کر اور جوان لڑکے سپیرے کی بیٹی کے شانوں پر اُس کے
سیاہ بال لہراتے دیکھ کر سانپوں کا تماشہ دیکھنے سپیرے کے ساتھ ہو لیے اور
جب تک وہ ملکائی کے دروازے تک پہنچے اُس کے ساتھ لوگوں کی ایک
بھیڑ چلنے لگی۔

سپیرے نے ملکائی کی حویلی کے دروازے پر پہنچ کر اپنے مَر سے
سانپوں کی چادری اتاری۔ اُس کی بیٹی نے بھی کالے ہاگ والی چادری
زمین پر دکھ دی اور دونوں بانوں سے اپنے مَر پر ایک سانپ لے آئیں
کا خراب بنائے ہوئے انگوٹھی لے سپیرے نے بین بھائی شروع کی اور دونوں
چادریوں کے ڈھکنے کھول دیے۔ قسم قسم کے سانپ چادریوں سے باہر نکل آئے۔
بچے سانپ دیکھ کر دم گئے۔ گاؤں کے کڑیل جوان بھی جو لڑنے مرنے کو زندگی
کاسب سے سہا سہا کھیل سمجھتے تھے ان بے زبان کیروں سے ڈر کر دم چھپے
بٹ گئے مگر بھانے سپیرے کی بین میں کیا جلاؤ تھا کہ کوئی سانپ بھی اُس
کیر سے باہر نہ نکلتا تھا جو اُس نے بین کی نوک سے اپنے ارد گرد دیکھنے دی تھی۔
کوئی نہیں سمجھ سکتا تھا کہ سپیرے اور اُس کی بیٹی کے بدن میں کیا طلسم ہے
کہ کوئی سانپ بھی اُن کی طرف کاٹنے کو نہیں جڑھتا تھا۔

بین کی آواز سنی تو حویلی کی لڑکیاں دوڑ کر باہر نکل آئیں۔ ملکائی کی
بیٹی بھی جھڑکے میں کھڑی ہو کر سانپوں کا تماشہ دیکھنے لگی۔ یوں تو گاؤں
والوں کے لیے سانپوں کا تماشہ ایک پرانی چیز تھی مگر آج سپیرے کی بین سے
کچھ ایسی نئی بھری تائیں نکل رہی تھیں اور اُس کے سانپ بین کی تان پر
کچھ اس طرح لٹائے ہوئے تھے کہ گاؤں والے بھی دنگ رہ گئے۔ دروازے پر لوگوں
کا شور مٹا تو ملکائی بھی حویلی کی کھڑکی کے پاس آ کر جھانکنے لگی۔ سپیرے نے
حویلی کی کھڑکیوں سے عورتوں کو جھانکتے دیکھا تو سمجھ گیا کہ ان میں ملکائی
بھی ضرور موجود ہوگی۔ سپیرا بین اپنے چھلانے ہوئے منہ سے اگ کر کے
دُعا دینے لگا۔ ملکائی کی خیر ملکائی کی بچی کا سناگ بنا ہے آج غریب سپیرا
مُنہ ہانگا انعام لے کر جائے گا۔

ملکائی بیٹی کی شادی رچا رہی تھی۔ مَر سے ہوئے شوہر کی جمع کی ہوئی
دولت دل کھول کر نکال رہی تھی۔ اُس نے پانچ روپے بیٹی کے مَر پر سے بچھا کر
کر کے کھڑکی سے نیچے چھینک دیے۔ سپیرا زور سے چلا بایا۔ آج سپیرا اپنے

لیسے دان لینے نہیں آیا، ملکائی کو اُس کی منت یاد دلانے آیا ہے۔ ملکائی
کی بچی بہتی ہے۔ سات غریب لڑکیاں اس دن کے امتحان میں کمراری
بیٹھی ہیں اور اُن میں ایک میری بچی بھی ہے۔

سپیرے نے بین کے اشارے سے بیٹی کو آگے بڑھنے کے لیے کہا۔
سپیرے کی بیٹی دو تین قدم آگے بڑھ گئی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ برسات کی
چڑھی ہوئی ندی اپنے دونوں کناروں سے اُچھل کر بہنے لگی ہے یا سامان
رست کی بجلی نیلے آسمان پر اپنا پرتاب دکھا کر زمین پر اُتر آئی ہے۔
ملکائی کو اپنی منت یاد آگئی۔ وہ کچھ نشیاں سی ہوئی کہ بیٹی کے بیاہ کی
خوشی میں وہ اُس دھڑے کو بھول گئی تھی جو اُس نے اپنے خدا سے کیا
تھا۔ وہ دوڑی دوڑی اندر گئی اور ہزار روپے کی ایک تھیل لے کر سپیرے
سے نیچے اُتر آئی۔ دروازے کی دہلیز پر کھڑے ہو کر اُس نے سپیرے کی
بیٹی کو پکارا۔ سپیرا ملکائی کے ہاتھ میں تھیل دیکھ کر خوشی سے اُچھل پڑا۔ اُس
نے بیٹی کو ملکائی کے سانپوں کی رانی! آگے بڑھ کر اپنی جھولی پھیلا دی اور
ملکائی کی بجائی کو اکسیں دی۔

سپیرے کی بیٹی کا چہرہ بھی کسی ایسے جذبے کی حرارت سے تھما
اُٹھا جس کو اُس نے آج سے پہلے کبھی محسوس نہ کیا تھا۔ اُس کے بدن پر
ایک کچھ سی طاری ہو گئی اور وہ اپنے آپ کو سنبھالتی ہوئی ملکائی کی طرف
بڑھی۔ ملکائی کے سامنے جا کر اُس نے پھٹے ہوئے کرتے کا دامن پھیلا
دیا۔ ملکائی نے دلچسپی سے بھری ہوئی تھیلی سپیرے کی بیٹی کی جھولی میں ڈال
دی۔ سپیرے نے ایک مہم جویم تماشہ آسانی سے پوری ہوئی دیکھی تو کسی عجیب
جذبے سے متاثر ہو کر مچلا اُٹھا۔ آہا! ہا! ہا! ملکائی! تھیلے اپنی منت کی لالچ
رکھل اور سپیرے کی بیٹی کا کاج سوار دیا۔ لے سپیرے کی بیٹی بھی آج تیزی
بیٹی کو دے مانگ دیتی ہے جو بادشاہ بھی نہیں دے سکتے۔ وہ آگے بڑھا۔
اُس نے ہاتھ بڑھا کر ایک ہی جھٹکے میں وہ دھاگا توڑ ڈالا جو اُس کی
بیٹی کی گردن سے نکل رہا تھا اور جس میں سفید رنگ کا ایک چھوٹا سا پھلکیلا
نکلا پڑا ہوا تھا۔ پھر سپیرے نے دھاگے سے منکا نکال کر ملکائی کے ہاتھ پر
رکھ دیا اور ملکائی! یہ منکا اپنی بیٹی کے ہاتھ میں پڑے اور اُسے کہہ
دے کہ وہ یہ ہاتھ رات دن پہنے رہے۔ سانپ کسی رنگ روپ کا بھی ہو گیا
ہی زہریلا اور خطرناک ہو اُس کے پاس نہیں آنے پائے گا۔

ملکائی نے سپیرے کا منکا اپنی تھیلی میں لے لیا۔ سپیرے نے پھر
اکسیں دی۔ ملکائی! تراکیما ہمیشہ ٹھنڈا ہے اور تومن کی ملاویں پائے۔
تیری بیٹی کا سناگ بنا ہے۔ یہ کہہ کر سپیرا اور اُس کی بیٹی اپنی چادری
مَر پر رکھ کر اور ملکائی کے دان سے اپنی جھولی بھر کر جنگل کو لوٹ گئے۔ ابھر
سانپ کا کھیل ختم ہوا تو حویلی میں پھر دھواک بچنے لگی۔ گاؤں کی لڑکیاں
ملکائی کی بیٹی کا سناگ گانے لگیں اور ملکائی بیٹی کی نصیحتی کا سامان کرنے لگی۔

بھی دسترخوان کے پنجہ کھمبے محوئے نظر اٹھا کر نہ دیکھتے تھے جب گاہی ملوں
کا پیٹ بھرگا تو وہ زمیں ولولہ کو نکھلٹ راجا کئے گئے اور بھول گئے کہ کئی ہفتہ
اُسے خزانے کا سانپ کہا کرتے تھے۔

دولہا کی ماں دلہن کی سیج سناگ کے عطر سے برابر ہی تھی مڈونیل
بنے کا سہرا گار ہی تھیں مگر منہ کیسے نظر نہ آتا تھا۔ دونوں بیٹے وہ اپنی
دلہن کے لیے کچھ ہادے تھے فریڈ نے موٹریں سوار ہو کر شہر چلا گیا تھا اور
اب تک نہ لوٹا تھا۔ ان تحفوں کی خرید کے لیے مینار و پیہ بھی وہ اپنی ماں
سے لے سکا، پھر باپ سے بھی اس نے ادھر ادھر کے ہمانے کر کے جو کچھ
منہ سے مانگا حاصل کیا۔ ماں اور باپ کی محبت بیٹے کے بیاہ کے دن انھی
ہو جاتی ہے۔ وہ دونوں جانتے تھے کہ جس قدر وہ پیہ وہ مانگا ہوا ہے اس
سے دس بیاہ دپائے جاسکتے ہیں مگر جوان بیٹے کی مناد اور پھر ہو کے لیے
تحفے لانے کا بہانہ۔ وہ سب کچھ سمجھ کر بھی کچھ نہ سمجھے اور سب کچھ دیکھ کر بھی
کچھ نہ دیکھ سکے۔

زمین دار کے بیٹے نے شہر پہنچتے ہی حُسن کے بازار کی سب سے بڑی
دکان کا متع کیا۔ گاگہ جوان تھا، اس کی میبیں نوٹوں اور اشرفیوں سے
بھری ہوئی تھیں۔ دکان کے دروازے کھل گئے۔ وہ وقت اور یہ وقت۔
نہ اُسے یہ خبر ہوئی کہ سوچ کب نکلا اور کب ڈوبا، نہ اُسے یہ یاد رہا کہ وہ ماں
باپ سے کیا کہہ کر آیا ہے اور اس وقت اس کی برات اُسے دولہا بنا کر
دلہن کے گھر لے جانے کی تیاریاں کر رہی ہے۔ اس کو اس بات کا خیال
نہ تھا کہ ایک معصوم لڑکی کیسی کیسی آرزوؤں سے اپنا دل بھلا رہی ہے اور
آج کی رات کے انتظار میں کن کن بہانوں سے دیکھتے ہوئے وقت کو بلدی
جلدی بیت جانے پر مجبور کر رہی ہے۔ وہ تو اس وقت اپنی عقل کو خیر خرد
کے عشقوں کی مذکور کیے، اپنے دل کو ایک حسین نقاصہ کی اداؤں پر لٹائے
زندگی کی ماری ذلتے داریاں فراکش کر چکا تھا۔ اتنے لمبے زمیں دار کو
اپنی دکان کے مال کا گاگہ دیکھ کر اور اس بات کا اندازہ کر کے کہ گاگہ
میں مال خریدنے کی محبت بھی ہے حُسن کے بازار کے تجربہ کار تاجر اپنے
مال کے گاگہ کی خود فراموشی اور بڑھانے کے لیے بڑے آزمائے ہوئے
مددی لٹنے استعمال کر رہے تھے۔

زمین دار کا بیٹا تو اپنے ہوش کوزہ ہر کے گھونٹ پلا پلا کر اپنے
آپ سے بیگانہ ہو چکا تھا مگر اس کا ذرا اور اس مکان کی ڈیڑھ می کی بیڑی
پر بیٹھا سوچ رہا تھا کہ بیٹا جس باپ کی تمناؤں کا اس طرح غفل کر رہا ہے
وہ آج اپنی برادری کو کیسے منہ دکھائے گا۔ جس ماں نے بیٹے کا بیاہ مینے
بھر سے اس امید پر چار کا ہے کہ آج اس کے سر پر سہرا بندھا دیجے
گی، اگر دولہا وقت پر گھر واپس نہ گیا تو برات دولہا کے بغیر دلہن کے گھر
جاتے دیکھ کر وہ کیا کچھ نہ کر گزرتے گی۔ وہ بے چین ہو کر اٹھا۔ ایک بہت بھر
سب بنگ



ادھر دولہا کے گھر میں بھی شادی کی دھوم دھام تھی۔ ساتھ کے
گاہیوں کا سب سے بڑا زمیں دار اپنے جوان بیٹے کی شادی کے چاڑیوں
اپنے آپ میں نہ سما تھا۔ ایک تو بیٹے کی شادی کی خوشی اور دوسرے
ہو کے دھن کا لالچ اور پھر اس بات کے احساس سے کہ کل سے اُس
کا بیٹا اپنے باپ ہی کی زمین کا وارث نہیں بلکہ اپنی دلہن کے باپ کی
ساری املاک کا بھی مالک ہو جائے گا۔ بوڑھے زمیں دار کی رگوں میں زندگی
اور غرور کے سرکش شعلے بھڑک اٹھے۔ دُور قُود سے ہمان آئے ہوئے تھے،
میزبان اُن کی خاطر تواضع میں وہ پیہ پانی کی طرح بہا رہا تھا۔ اب اُسے
دولت کی کیا پروا تھی۔ ملکائی کی سونے چاندی سے بھری ہوئی تجویزوں
کی کنجیاں اُس کے حوالے ہونے والی تھیں۔

براتی برات کے ساتھ جانے کی تیاریاں کر رہے تھے۔ بوڑھے
ماڑھیلوں میں خضاب لگا رہے تھے، جوان سروں کے پٹے سنوار رہے تھے۔
بچوں کی مائیں اپنے بچوں کے لیے قیمتی سے قیمتی اور ہنگامے کیڑوں کی
ٹکائش میں تھیں۔ میدان میں ہلچل کی گڑبگ اور جویں میں دھوک کی خنک
کا وہ شور تھا کہ کان پڑی آواز سنائی نہ دیتی تھی۔ جس گھوڑے پر دولہا کو سوار
ہو کر رات کے ساتھ جانا تھا، اُسے سونے چاندی کے زیوروں سے آراستہ
کیا جا رہا تھا۔ گاؤں کے بھاٹ دولہا کے باپ دادا کا شجرہ یاد کر رہے تھے۔
بھاٹ مٹی مٹی نقلیں تیار کر رہے تھے۔ میٹھے چاول اور قدر تو آج دولہا کے
باپ نے اس بہتات سے تفہیم کیا تھا کہ انسانوں کا تو کیا ذکر چیل اندکڑے

کے بدن پر زنی اور شیم کا لباس نہ تھا مگر اس سے کیا ہوتا ہے۔ یہ تو سب
تھامے بٹنے ہونے رسم و رواج میں آل چیز تو یہ سب جو قوم دیکھ لیتے ہو۔
دو جوان دل آپس میں مل گئے، وہ دنیا میں ایک سرسبز کے ساتھ مل کر بننے لگیں۔
ڈرائیو کی قفل پڑھے تاجر کی یہ عجیب منطق نہ سمجھ سکی۔ وہ اگر کچھ
سمجھا تو بس یہی کہ اس کے مالک کو اس وقت اس کے گاؤں میں ہونا چاہیے
ہاں اس کا لڑکا ہاں اپا اور بے چین ماں بن کا اس نے اتنے دن تک
تک کیا سہنے بیٹے کے انتظار میں ہیں۔ اس نے بڑھ کر لڑھے کے سینے پر
ایک لات ماری۔ لڑکا لڑکھڑا کر گر پڑا۔ پھر اس نے اپنے زرد سے اس
جوان لڑکی کو دھکاتے کر پلنگ سے لڑا دیا جو اس کے مالک پر اپنی حکمت
بمانے بیٹھی تھی اور پھر اپنے مالک کو اس وقت جن پکٹس میں نہ تھا
اپنے کندھے پر لا کر مہلا اور بیڑیوں سے آؤ کر موٹر کی طرف بڑھا۔ دوکان
والوں نے لاکھ لاکھوں کو روکے سے جلتے دیکھا تو شرم نہانے لگے مگر دیکھتے
دیکھتے ڈرائیو اپنے مالک کو موٹر میں لٹا کر برا ہو گیا۔

موٹر گاؤں میں پہنچ کر زنی واد کی حویلی کے دروازے پر آٹھری۔
اس کا آنکھیں قسم قسم کے اندیشوں سے چمک رہا تھا کہ کچھ آنکھیں ملے گا زنی میں
بیٹے کو اس کے لیے پرانی اور فحش پر ڈانٹ بتانے کے لیے موٹر کی کٹر
بڑھا مگر ڈرائیو نے لوگوں کی آنکھ بچا کر زنی واد کو نشانے میں سب کچھ
بتا دیا۔ زنی واد نے موٹر کی کٹر کی اندر بھاگ کر دیکھا تو اس پر ماری
تھیقت روشن ہو گئی۔ بڑھاپے کو لوگ برا کہتے ہیں مگر بڑھاپے کی دانائی

کرمیر حویلی پر چڑھ گیا اور اس نے اوپر کی منزل کا دروازہ زور زور سے
کھٹ کھٹایا۔ دروازہ کھلا، گھر والوں نے اُسے روکنے کی لاکھ کوشش کی
مگر وہ نادر نوکر اپنے مالک کو بے بس دیکھ کر مالک سے زیادہ طاقت ور
اور سرکش ہو گیا تھا۔ اس نے آگے بڑھ کر زنی واد کے بیٹے کو بازو سے
پکڑ کر جھنجھوڑا۔ اس واد کا بیٹا خراب کے نشے سے زیادہ ایک زہر جان موت
کے شعل کی دھڑکے نشے سے بے ہوش پڑا تھا۔ وہ یہ جھٹکا مسموم نہ کر سکا۔
ڈرائیو نے اپنا سر پیٹ لیا اور چلتا پاتا غالو اتم نے یہ کیا کیا جہنم نے اتنا
بھی نہ سوجھا آج اس کے بیاہ کا دن ہے۔ گاؤں میں باپ بیٹے کے انتظار
میں گھر میں گن رہا ہو گا۔ ماں حویلی کی کھر کی سے بھاگ بھاگ کر بیٹے کی
راہ دیکھ رہی ہو گی۔ وہاں بیٹے کی شادی رچی ہوئی ہے۔

شمن کے بازار کے پڑھے تاجر نے کھل کھلا کر بیٹے ہونے اس
کی بات کاٹ کر کہا: "میاں بھی تو خادی رچی ہوئی ہے۔" پھر اس نے
اپنی بیٹی کی طرف جس کے زلو پر سر رکھے زنی واد کا بیٹا سودا ہوا تھا، اشارہ
کرتے ہوئے کسی عجیب جذبے سے مشتعل ہو کر کہا: "یہ لڑکی بھی تو کسی ماں
باپ کی بیٹی ہے۔ اس کے بیاہ کا دن بھی تو تمہارے مالک ہی نے مقرر کیا
تھا اور وہ وقت پر آپہنچا اور جو قیمت ہم نے مانگی تھی وہ اس نے لیا کر
دی۔ یہ سچ ہے کہ اس کے ساتھ کوئی برات نہیں آئی، وہ سونے چاندی
کے زیور دس سے سبے ہونے لگوٹے پر سوار ہو کر نہیں آیا، اس کے آگے
باجے گاہے کا دم دم دھڑکتا نہ تھا، اس کے سر پر پھولوں کا سہارہ نہ تھا، اس



صرف تین منٹ

جلد کا غیر ضروری بالوں سے پاک ہونا بھی
نسوانی حسن اور نفاست کیلئے ضروری ہے۔
موزن خواتین ویٹ کریم کے استعمال کو ترجیح
دیتی ہیں، کیونکہ اس سے صرف تین منٹ میں
جسم کے کسی بھی حصہ سے بے بسی
بال صاف ہو جاتے ہیں۔
اور استعمال کے بعد جلد ریشم
کی طرح نرم اور ملائم رہتی ہے۔

ویٹ پال صفا کریم

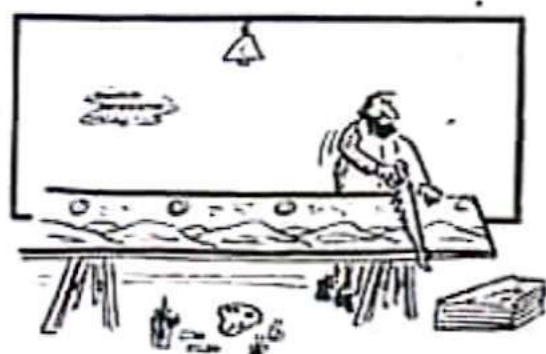
اپنے قریبی جنرل اسٹور یا کسٹ سے طلب فرمائیے

نفاست پسند خواتین
صرف Veet کریم استعمال کرتی ہیں۔

کے شجرے پڑھے۔ باپ واداکے کا ناموں کا ذکر سن کر دونوں برادری کے
زمین دار ایک دوسرے کو دیکھتے ہوئے اپنا اپنا سر اُدنچا کر کے مونچھوں کو تازہ
دینے لگے۔

ملکانی کے ڈپے اور گائوں والوں کی محبت اور عقیدت نے برات کی خاطر مدارات کا وہ سامان کر دکھا تھا کہ براتی حیران رہ گئے جب وہ اُس ٹھالیلے میں جا کر بیٹھے جو ملکانی کی حویلی کے کنارہ صحن میں براتیں کے بیٹھنے کے لیے لگایا گیا تھا تو سارے براتی بڑی حیرت سے اُس کی آراکش کا سامان دیکھنے لگے۔ کوئی نہ جان سکتا تھا کہ اُن کی آنکھوں کی ناگہانی کشادگی کی خبر تک دُولہا کے بخت کی یاد ہی تھی یا اُن کی اپنی مافیت کی فیش زنی۔ دُولہا کا باپ بھی دلہن کے گھر کی شان دیکھ کر اپنی شان میں کچھ کمی محسوس کرنے لگا۔

سوں لڑے لگا۔
جب سب نہان اپنی اپنی جگہ بیٹھ گئے تو دُلہن کے خاندان کے
پشتینی حجام نے "الہی نیت خیر" کہہ کر دودھ سے بھرے ہوئے کٹورے تقسیم
کرنے شروع کیے۔ پھر گائوں کی سب سے بڑی مسجد کے امام صاحب تشریف
لائے اور انھوں نے نکاح پڑھایا۔ چاروں طرف سے مبارک باد کا شرارت اٹھا۔
دُلہا کے باپ کا سرخوشی اور غریبے کچھ اُونچا اُونچا سا نظر آنے لگا۔ پھر
کھا تا تقسیم ہوا۔ براتیوں نے بڑھ چڑھ کر کھانا پکانے والوں کے منہ کی داد دی۔
بھاٹا اپنا کھیل تماشا دکھانے میں مصروف ہو گئے۔ زمیں دار نہیں منس کہ
ایک دوسرے پر پھبتیاں کہنے لگے۔ غرض حویلی کے مومن میں ایک ہنگامہ برپا
ہو گیا مگر جو ہنگامہ حویلی کے اندر برپا تھا اس کا اندازہ وصل سے ہو سکتا ہے
ملکانی نے دُلہا کی ماں کے سر سے ایک ہزار روپے کی تھیلی نچا کر کے دو منوں
میں بانٹ دی۔ دُلہا کی ماں کسی سے پیچھے کب رہنے والی تھی اس نے
دو ہزار روپے کے نوٹ دُلہن کے سر سے نچا کر کے آنگن میں پھینک دیے۔
اب کیا تھا۔ سب نوکرانیاں اور دونمیاں آنگن میں بکھرے ہوئے فوٹوں پر ٹوٹ
پڑیں۔ وہ دھکم دھکا اور ٹل غپاڑا ہوا کرکان پڑی آواز سنانے لگی تھی۔
ملکانی پھولوں سے لدی ہوئی اور گھونگٹ سے جھپی ہوئی بیٹی
کا بازو پکڑ کر اس کمرے میں چلی گئی جہاں آدمی صحف کی رسم ادا ہونے
والی تھی۔ دُلہن تو دُلہن وہ نہ کر نہ بھی دُلہن کی طرح سجا ہوا تھا۔ چھپر کھٹ پر
چھوڑوں کے باروں کا ساٹبان اور اس ساٹبان کے چاروں طرف دھاگروں
کی منہری اور سو پہلی لڑیاں عجیب بہادری رہی تھیں۔ چھپر کھٹ کے سامنے
گلاؤ تیکے کے سہارے ایک بڑا سا آئینہ رکھا تھا جس میں دُلہا دُلہن کے
چہرہ کا عکس دیکھ کر رونمائی کی رسم ادا کرنے والا تھا۔ دُلہن چھپر کھٹ پر بٹھا
دی گئی۔ دُلہن کی سہیلیاں چھپر کھٹ کے چاروں طرف تاروں کے جھبڑ
کی طرح جمع ہو گئیں اور دُلہن کو چھیڑنے لگیں۔ روشنی کے نقشے کھینچنے
ہوئے پھول، اٹھارو اکسوں کی منہنی سٹماگ کے گیتوں کی رس بھری آہن غرض
سب بنگ



کبھی کبھی جوانی کی طاقت سے زیادہ کلام کی چیز ثابت ہوتی ہے۔ زمین دار دروازہ کھول کر ڈرامہ ر کے ساتھ بیٹھ گیا پھر اس نے کچھ سوچ کر ڈرامہ ر کے کان میں کہا: بحکم صاحب کے ہاں چلو۔
 موٹر حکیم صاحب کے گھر پہنچی تو حکیم صاحب پگھڑی بٹھالتے ہوئے گھر سے باہر نکل آئے۔ اُن کی زندگی کی ساری تاریخ میں پہلی مرتبہ یہ واقعہ ہوا کہ گاؤں کا زمین دار خود میل کر اُن کے گھر آیا۔ زمین دار نے موٹر سے اتر کر حکیم صاحب کو حقیقت سے آگاہ کیا۔ حکیم صاحب نے آج اپنی اہمیت کچھ اس طرح محسوس کی جیسے جونیسی سے یہ کہا جائے کہ ہایا پر بت کا سارا دار و مدار اُس کی جانِ ناتواں پر ہے۔ انھوں نے زمین دار کو تسلی دیتے ہوئے کہا: ابھی تو برات روانہ ہونے میں چھ گھنٹے باقی ہیں، پچھنٹوں میں تو میں خرمنے میں جان ڈال سکتا ہوں۔

زمیں وار کے بیٹے کو چار پائی پرٹا کر حکیم صاحب اپنے مکان کے اندر لے گئے اور اس کی دوا دارو میں مشروب ہو گئے۔ پرانے میر کے کی پوری بزم حکیم صاحب نے زمیں وار کے بیٹے کو دو تین گھنٹوں میں پلا دی۔ جو نشہ فرض کی ذقہ وادی کے احساس سے بھی نہ اتر اٹھا، میر کے کی ترشی سے اترنے لگا۔

یہ تو نہیں کہا جاسکتا کہ زمیں و آسمان کا میثا براتِ رحمانہ ہونے کے وقت تک پرکشش میں آگیا یا اپنے بدن میں پہلے کی سی توانائی محسوس کرنے لگا مگر اس میں شک نہیں کہ وہ باپ کے کنہ سے کا سہارا لے کر گھوٹے پر سوار ہو گیا۔ احتیاط کے طور پر اُس کا باپ اور ماموں بظاہر اپنے دل کے چاؤ کے انہار کے لیے مگر حقیقت میں دُلہا کو سنبھل کر بیٹھنے کی طاقت دینے کی غرض سے اُس کی کمر کو ماتحتوں کی ٹیک سے کر گھوٹے کے ساتھ ساتھ چلنے لگے۔ بچپنوں اور موتوں کے زہر تازہ سہرے دُلہا کا منہ چھپا لکھا تھا اس لیے اُس کے تین دن رات کے عیش کی تباہ کاریاں برائیتوں کی نظر سے پوشیدہ رہیں۔

آخر کار برات گاؤں کی گلیوں کے چکر کا تہی ہوئی دھوم دھام سے
 دلہن کے دروازے پہنچا پہنچی۔ ایک گاؤں نے دوسرے گاؤں والوں کا
 استقبال کیا۔ زمیں واردوں کی ایک برادری نے اپنے بھائی بندوں کی
 دوسری برادری کی راہ میں آنکھیں بچھا دیں۔ بھاٹوں نے دونوں فائدہ انوں



بذریعہ ڈاک
لٹرچر طلب کیجیے

آسان اردو میں
چار ماہ کا باتصویر کورس

جس میں فوٹو کھینچنا، دھونا، پرنٹ کرنا، انلائیج کرنا، ڈاک رکڑم بنانا، اسٹوڈیو بنانا، سینما سلائیڈ بنانا، مینٹ فوٹو گرافی، وارکر واک فوٹو پیشنگ پریس ٹیوی پورٹلائڈ فوٹو گرافی سکھائی جاتی ہے۔ یہ کورس کر کے آپ اپنا سٹوڈیو بھی کھول سکتے ہیں۔ وائلڈ فارم و لٹرچر بذریعہ ڈاک منگائیے یا خود تشریف لائیے۔

مشاہدہ فینسٹ : بیسویں روپے
پاکستان سے باہر مقیم طلباء کو کورس ایک ساتھ بھیجا جاتا ہے اور ان سے پورے کورس کی فیس ۲۵ ڈالر لی جاتی ہے

بیش انسٹیٹیوٹ فوٹو گرافی کی عملی تربیت کیلئے سندھ بورڈ آف ٹیکنیکل ایجوکیشن حکومت سندھ سے منظور شدہ ہے

پرنسپل : زبیدہ اے لغوی ایم اے
ادواتہ : ۲۰ بجے شام سے ۹ بجے رات تک
فون : ۲۰۱۲۱۳

لندن انسٹیٹیوٹ
۲۵۶ لے نیش ای ٹی، ملیر کالونی، کراچی ۷۴۰۰۲

یہ عجیب و غریب ایک طلسم غیبی رنگ تھا جس کا حسن آنکھوں کو مسحور اور جس کی خادمانی دل کو مسحور کر رہی تھی۔ اتنے میں ایک شہزادہ تھا کہ دولہا آدمی صحت کی رسم ادا کرنے حویلی کے اندر آ رہا ہے۔ ڈومینوں نے اپنے گیتوں کی تانیں اور بلند کر دیں۔ لڑکیوں کے قفسوں سے فضا گرج اٹھی۔ ملکائی نے بڑھ کر دروازہ کھولا۔ دولہا کمرے کے اندر داخل ہوا۔ ملکائی نے اس کی بلانیں لیں اور شہزادہ خرفیوں کی تھیلی دولہا کے ہاتھ میں رکھ دی۔ دولہا آگے بڑھا اس کے پاؤں میں لفرشش تھی۔ اس کا چہرہ سر سے ڈھکا ہوا تھا۔ وہ اس تنوار کا سہارا لے کر حورا جوتوں کی پرانی رسم کے مطابق بیاد کے دن دولہا کے ہاتھ میں ہوتی ہے، دلہن کی چھپر کھٹ کی طرف بڑھتے لگا۔ ابھی وہ دو چار قدم ہی چلا تھا کہ اس کا دامن کمرے میں رکھے ہوئے شمع دان سے الجھ گیا۔ اس کی ٹانگوں میں اتنی سخت نہیں تھی کہ وہ شمع دان ٹھکرا کر الگ کر دے۔ شمع دان گر پڑا۔ گھس کا چرل بج گیا۔ دولہا کا پاؤں زمین پر گرے ہوئے شمع دان سے ٹکرایا۔ وہ اپنے آپ کو سنبھال نہ سکا اس کا دھڑے مڑے گر پڑا۔ ایک دھماکا ہوا، دلہن گھبر گئی اور اپنے چہرے سے سرٹکا کر اس طرف دیکھنے لگی۔ دولہا نے کوشش کر کے اپنا سر اٹھایا اور ہاتھ زمین پر ٹیک کر اٹھنے لگا۔ دلہن کے منہ سے بے ساختہ ایک چیخ نکلی اور وہ زور سے چلائی : سانپ۔

اس کو صاف صاف دکھائی دے رہا تھا کہ ایک کالا ناگ اپنا پیچ اٹھا کر اپنے بل سے باہر نکلنے کی کوشش کر رہا ہے۔ دلہن کے منہ سے "سانپ کی آواز سن کر ملکائی دوڑی دوڑی بیٹی کے پاس گئی۔ اتنے میں دولہا اپنی تنوار کے سہارے کھڑا ہو گیا پھر چھپر کھٹ کی طرف بڑھنے لگا۔ دلہن نے دیکھا کہ وہی کالا ناگ جو اپنے بل سے نکلنے کی کوشش کر رہا تھا، اب اپنا پیچ ہوا میں لہراتا ہوا اس کی طرف بڑھ رہا ہے۔ اس نے پھر ایک چیخ ماری اور ماں کی چھاتی سے لپٹ گئی پھر اس نے سسکیاں بھرتے بھرتے سہمی ہوئی آواز سے ماں کے کان میں کہا : وہ دیکھو ماں اس... اس سانپ۔ دولہا چھپر کھٹ کے قریب آیا ہی تھا کہ اس کے پاؤں اُلٹ گئے اس طرح جیسے کسی نے اس کی چھاتی پر چڑے کے کورے کی ایک تہذیب ضرب لگائی، ہر وہ لڑکھڑاتا ہوا دروازے کی طرف بھاگا۔ دلہن چلائی : "دیکھو ماں! سانپ بل کھاتا ہوا دروازے سے نکلا جا رہا ہے۔ ملکائی اور دوسری عورتیں کچھ نہ سمجھ سکیں۔ وہ صرف یہی دیکھ رہی تھیں کہ دولہا لٹے پاؤں بھاگ کر دروازے سے نکل گیا۔ دلہن نے اپنے سینے کے اندر کچھ ایسی تپش محسوس کی جیسے کسی نے اس کی چھاتی پر دھکا ہوا انگارہ دیا ہو۔ اس نے جلدی سے ہاتھ بڑھا کر اپنا سینہ ٹوٹا۔ اس کے گلے کے باہر میں سپر سے کا دیا ہوا منکا آگ کی طرح جل رہا تھا۔

